دینی کالم کیسے لکھا جائے

امام حسن البنا شہید

جریدۃ الاخوان المسلمین کے اس دینی شعبے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے۔ میں نے اس کی بے شمار مشکلات اور صعوبتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اسی کی مدد اور توفیق کی اُمید پر اس ذمہ داری کو قبول کیا ہے۔ اس شعبے کے مباحث کا تعلق عقائد، فقہ و اصولِ فقہ، تصوف و اخلاق، دینی مواعظ اور فتاویٰ جیسے موضوعات کے ساتھ ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ روزِ اول سے اس جریدے کے قارئین کرام کے سامنے وہ طریقۂ تحریر اور اسلوب نگارش رکھ دوں کہ جس پر چلنے کا میں نے عزم کیا ہے۔ مجلّے کی مجلس ادارت اس شعبے کو ایک علمی سلسلہ بنانا چاہتی ہے جس کے فکر و استدلال میں ایک تسلسل ہو، جس کے ذریعے ایک مسلمان اپنے دین کے ان احکام کو معلوم کر سکے، جن کا جاننا اس کے لیے ضروری ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام میری ان گزارشات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور پھر جب کسی موضوع کے بارے میں انھیں کوئی شبہ لاحق ہوگا تو ان گزارشات کی طرف رجوع کریں گے۔ مذکورہ فنون کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے میں درج ذیل امور محترم قارئین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں:

ا- ہر دور میں لکھنے کا ایک طریقہ ہوا کرتا ہے جو اس زمانے کے لوگوں کے ذوق، فہم اور مطالعے کے طریقوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ ایسے ہی اسلوب کو اختیار کیا جائے۔ اس مناسبت سے سابقہ زمانوں کی تالیفات کا اپنے زمانے کے مطابق، ایک رنگ اور مزاج ہوتا تھا، اور اس مزاج کی وہ عکاسی کرتی تھیں۔ اسلامی لٹریچر کی تدوین کے پہلے دور میں تالیفات کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں کتاب کو متن اور سند تک محدود رکھا جاتا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ بہت مختصر انداز میں بعض حواشی لکھ دیے جاتے جن میں اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا تھا۔ مؤطا امام مالك، مسند احمد اور حدیث کی اولین کتابیں اسی طرز پر مرتب کی گئیں۔ بعد ازاں مؤلفین احکام کی تلخیص، ترتیب اور ان پر عملی مسائل کی تطبیق کی طرف متوجہ ہوئے، جیسا کہ امام

شافعیؒ کی کتاب الأم اور سرخسیؒ کی کتاب المبسوط کا انداز ہے۔اس کے بعد وہ دور آیا جس میں مؤلفین احکام کو بیان کرتے ،فروعی مسائل میں بکثرت استنباط کرتے اور سابقہ مؤلفین کی کوششوں پر اعتماد کرتے ہوئے بعض شروط کا ذکر کرتے یا پھر اُن لفظی باریکیوں کی وضاحت کرتے تھے جن کے ذریعے مفصل تعلیقات، حاشیہ نویسی اور شروح لکھنے کا دور آیا۔اس طرح آپ دیکھیں گے کہ ہر دور کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔اپنی مخلوقات میں، اللہ کی یہی سنت رہی ہے۔کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ: اپنی اولاد کو جبراً اپنے ضابطوں کا پابند نہ بناؤ، کیونکہ وہ ایک ایسے زمانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جو تمھارے زمانے سے مختلف ہے۔

۲- ہمارا دور تصنیف وتالیف اور علوم ومعارف کی ترقی کا دور ہے، اس دور میں ترتیب وتہذیب کے نئے اسلوب سوچے گئے اور عبارت کو سہل بنانے کے نئے نئے طریقے دریافت کیے گئے۔لیکن ہم دینی کتابوں کے میدان میں جہاں تھے وہیں ہیں۔ہم نے جدید دور کی کوششوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ ہمارا اعتماد اور انحصار پوری طرح سابقہ کتابوں پر ہے۔ہم نے اپنے زمانے کی کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ہم ابھی تک اپنے اسلاف پر تکیہ کیے ہوئے ہیں۔اس علمی قناعت کے راستے کو چن کر ہم دینی علوم سے بہت کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ (سابقہ زمانے کی) کتابوں کی تالیف، ترتیب اور لکھنے کا طریقہ بہر طور آج کے دور سے مختلف ہے۔

۳- یہ حقیقت کئی مواقع پر روز روشن کی طرح نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے: مثلاً:

● اگر آپ خرید وفروخت کے کسی مسئلے کو فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنا چاہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ متعلقہ مسئلے کو تلاش کرنے اور اس مقام تک پہنچنے کے لیے آپ کو بہت محنت درکار ہوگی۔اس کے بعد بکھرے ہوئے احکام کو جمع کرنے کے لیے آپ کو مزید وقت صرف کرنا پڑے گا۔

● بعض جدید معاملات ایسے ہیں کہ جن سے فقہ کی بڑی بڑی کتابیں یک سر خالی ہیں۔مثلاً بینکوں کے کاروبار اور نوٹوں کے معاملات وغیرہ، یہ سب ایسے امور ہیں جن کی تحلیل وتحریم کا تعلق دین اور فقہ سے ہے۔مگر اس کے باوجود ہم انھیں اپنی جامع اور مستند کتابوں میں نہیں پاتے۔اس کا سبب بالکل واضح ہے۔یہ مسائل ہمارے متقدمین کے زمانوں میں موجود ہی نہیں تھے۔اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ائمہ کرام کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں جدید مسائل کا حل ڈھونڈیں۔

● بعض مسائل واحکام کی بے حد تفصیل جن کا آج وجود ہی نہیں ہے جیسے غلامی کے مسائل کی اس کثرت سے مثالیں پیش کرنا کہ شاید ان کتابوں کا کوئی باب ان کے ذکر وبیان سے خالی نہ ہو۔اسی طرح ان کتابوں میں پرانے اوزان، پیمانوں اور مسافتوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں، جب کہ ہم عصر حاضر کے اوزان، پیمانوں اور مسافات کے محتاج ہیں۔

● اگر آج کا تعلیم یافتہ نوجوان آپ سے کسی ایسی کتاب کے بارے میں دریافت کرے، جس میں عقائد اسلام کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہو یا جس میں عبادات کے احکام ایسے طریقے سے ذکر کیے گئے ہوں کہ وہ اس کے ذہن کو اپیل کریں، تو آپ کس کتاب کا نام تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ ایسی مختصر اور اطمینان بخش تحریر کا طالب ہے، جس کو کم سے کم وقت میں پڑھا جا سکتا ہو، کیونکہ جدید تعلیمی نظام میں اس کو ایسا ہی سکھایا گیا ہے اور اس نے ایسا ہی سیکھا ہے۔

میرا مقصد متقدمین کو تنقید کا نشانہ بنانا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے، انھوں نے اپنے اپنے زمانوں میں تصنیف و تالیف کا کام ٹھیک اس اسلوب میں سرانجام دیا جس طرح اس وقت کی ضرورت تھی۔ اس خدمت کے لیے ہم ان کے احسان مند ہیں کہ انھوں نے ہمارے لیے یہ عظیم علمی ذخیرہ چھوڑا ہے، جو دلائل اور احکام سے بھرپور ہے۔ تاہم اس مقام پر میں معاصر علما کی ہمتوں کو للکارنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے زمانے میں دین کی خدمت بجالائیں اور تصنیف و تالیف کا کام عصر حاضر کے لوگوں کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر انجام دیں۔ جس طرح ایک بوڑھے کسان نے کہا ہے: "ہم سے پہلے کے لوگوں نے بویا تو ہم نے کھایا اور اب ہم بو رہے ہیں تاکہ ہمارے بعد آنے والے کھا سکیں"۔ ہم نہیں چاہتے کہ اسلامی علوم کے روایتی علمی حلقوں میں ہم ایک ایسا حلقہ بن کر رہ جائیں جو غفلت کا شکار ہو چکا ہے اور جس کے بارے میں ہمارے بچے اور پھر ان کے بچے یہ کہیں کہ وہ بے عملی اور تساہل پسندی کے شکار اور فرض ادا نہ کرنے والے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم ایک ایسا حلقہ بنیں جو اسلامی علوم کو اپنے اسلاف کی طرح ایک بہترین اسلوب میں ڈھالے تاکہ وہ بعد میں آنے والوں کو اپنی طرف کھینچ سکے۔

اس لیے جریدۃ الاخوان المسلمین میں ان شاء اللہ میں جو اسلوب اختیار کروں گا وہ بعض اوقات ہماری دینی کتب سے مختلف ہوگا، لیکن وہ لازمی طور پر علوم اسلامیہ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس سمندر سے ہی اپنی غذا اور قوت حاصل کرے گا کہ جس کی تہہ میں اسلاف کی دانش، محنت، تحقیق اور تفقہ فی الدین کے لعل و جواہر موجود ہیں۔

اگرچہ یہ اسلوب نگارش اپنی ترتیب اور نظم میں اچھوتا اور نیا ہوگا، لیکن اپنے اصول واحکام اور قواعد و ضوابط میں ہرگز جدید نہیں ہوگا کیونکہ اسلام کے یہ اصول ثابت اور غیر متبدل ہیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ میں اپنے قابل احترام قارئین سے توقع کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کانٹوں بھرے راستے پر چلنے میں مدد دیں، تاکہ ہم مل کر حقیقت کو دریافت کر سکیں۔ میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوگی کہ کوئی معزز قاری میرے طریق کار کی اصلاح کرے یا اپنے اس بھائی کو کوئی اچھا مشورہ دے۔ ان شاء اللہ میں ہر ایسی نصیحت کو قبول کروں

گا اوراس پرعمل پیرا بھی ہوں گا۔

○ **اوّلاً، عقائد :** ہم اس موضوع پر لکھتے ہوئے دو بنیادی امور کا خیال رکھیں گے:

پہلا یہ کہ: قرآن کریم اور رسول اللہؐ کے اس طریقے پر اعتماد جسے وہ دینی عقائد کو قلوب میں اتارنے اور ان کو احساسات سے لبریز کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے ہیں۔ الفاظ کی گہرائیوں میں جانے، تحقیقات کے سمندر میں غوطہ زن ہونے، اور مختلف مذاہب و آرا کا تذکرہ کرنے کے بجائے دل و دماغ کو گرفت میں لینا۔ فلاسفہ، اصحابِ منطق اور اہلِ کلام کی اصطلاحات کے بکھیڑوں میں الجھ کر رہ جانے کے بجائے صاف، سادہ اور پر اثر طرزِ تحریر کو اختیار کرنا کہ سلف صالحین کا طریقہ یہی ہے۔

دوسرا، اس بات کا خاص طور پر اہتمام کرنا کہ انسانی زندگی پر ان عقائد کے اثرات کو بیان کیا جائے تاکہ قاری یہ جان سکے کہ اس کے نفس پر یہ اثرات کس حد تک موجود ہیں؟ اگر ان عقائد کا اثر اس کی زندگی پر گہرا ہے تو وہ اللہ کی اس نعمت پر شکر بجالائے۔ اگر یہ اثرات کمزور ہیں، تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کا مداوا کرے اور اپنے ایمان کو مضبوط بنائے۔ یاد رہے کہ ہمارے اسلاف کے عقائد، ان کے احساسات اور جذبات میں پوری طرح جذب ہو کر ان کی زندگیوں پر غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ اس کے برعکس جب یہ عقائد جنگ و جدل اور قیل و قال میں تبدیل ہوئے تو امت کا ایمان کمزوری کا شکار ہو گیا اور اس کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔

ہم اس اصول کی پیروی جدید شبہات کا جواب دینے، ان کی تردید کرنے اور بعض جدید نظریات سے اسلامی عقائد پر استدلال کرتے ہوئے کریں گے، اس لیے نہیں کہ ہم خلط مبحث کرنا چاہتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ ہم اُن سے استنتاج و استنباط کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۵۳) ہم ان کو آفاق اور خود ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں (کچھ اس طرح دکھائیں گے) کہ ان پر یہ بات (پوری طرح) واضح ہو جائے گی کہ وہ صحیح اور سچی نشانیاں (آیات) ہیں۔

○ **ثانیاً، فقہ:** جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو اس پر قلم اٹھانا کئی وجوہ سے ایک مشکل کام ہے۔ ایک تو اس کی جزئیات کی کثرت ہے، دوسرے اس کے اسلوب کی پیچیدگیاں اور پھر اصول میں اختلافات اور ان میں سب سے اہم پہلو فقہی مذاہب کا تعدد اور پھر خود ان کے اندر اختلاف در اختلاف کا ہونا ہے۔ یہ اختلافی آرا، امت میں کچھ اس طرح سے جم گئی ہیں کہ ان کے خلاف جانا لوگوں کے نزدیک گویا کہ ایک قسم کا کفر و الحاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں ذرا سی بات بھی کی جائے تو وہ بڑی شدت سے بحث پر اتر آتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا میں کسی خاص فقہی مذہب کے بارے میں اپنے مطالعے کے مطابق لکھوں تاکہ

لوگ اس سے استفادہ کر سکیں؟ لیکن اس طرح تو اپنے آپ کو خود ہی ایک حلقے تک محدود کر لینا ہے ، اور باقی لوگ محرومی کا شکار ہوں گے۔ یا پھر میں ان سب کے لیے سارے فقہی مذاہب کے مطابق لکھوں؟ یہ ایک طرف تو نہایت مشقت طلب کام ہوگا اور دوسری طرف قاری بھی پریشان اور مضطرب ہو جائے گا، بالخصوص عام طبقات سے تعلق رکھنے والا قاری۔ علاوہ ازیں اس میں ابحاث کی کثرت کے نتیجے میں خود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ سے جو اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ اور سرچشمے ہیں، ان سے قطع تعلقی بھی دکھائی دیتی ہے۔

پھر کیا میں احکام کی آیات واحادیث لکھوں حالانکہ قارئین ابھی اجتہاد کے فہم وقبول کے درجے تک نہیں پہنچ سکے ہیں؟ نہ ان کے اوقات میں اتنی گنجایش ہے کہ استنباط اور فہم کی کوشش کر سکیں۔ جب تک وہ اپنے فہم کو منظم نہ کر لیں اور اصولی ضوابط سے آشنا نہ ہو جائیں، ان کے لیے استفادہ کرنا تو دور کی بات ہے، وہ خود انتشار کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔ تو کیا پھر میں اپنے فہم کے مطابق ان آیات اور ان احادیث کی شرح بیان کروں؟ نہیں، اس طرح تو علیحدہ سے ایک نیا فقہی مذہب وجود میں آجائے گا۔ نئے مذہب کی تاسیس سے تو کہیں آسان یہ ہے کہ مجھے ایک پہاڑ کو زمین کے دوسرے کونے تک پہنچانے کے لیے کہا جائے۔ میں اس کام کا اہل نہیں ہوں۔

اسی طرح کے مختلف امور پر میں عرصہ دراز تک غور وفکر کرتا رہا ہوں۔ اور اب مجھے پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ فقہ پر کچھ اس طرح قلم اٹھایا جائے کہ اس سے امت کی تعلیم وتربیت ہو، اور وہ اس سے حقیقی فائدہ اٹھا سکے۔ جب آپ ایک ایسے مجمعے کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، کہ جس میں کم تعلیم یافتہ بھی ہیں اور پڑھے لکھے لوگ بھی، تو ایسے میں آپ کے لیے نہایت دشوار ہوتا ہے کہ کس چیز کو اختیار کریں اور کون سا راستہ منتخب کریں؟ بلاشبہ اس حیران کن صورت حال کا عوام کو جہالت کی تاریکی میں دھکیلنے میں بڑا ہاتھ ہے، خصوصاً عبادات کے دائرے میں۔ اپنی وزارت اوقاف کو لے لیجیے۔ اُس نے اِس مشکل کو حل کرنے کا بیڑا اٹھانے کا اعلان کیا، جس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے بڑی کوشش کی، لیکن بالآخر اسے بھی چاروں مکاتب فکر کے اصول پر مبنی عبادات کے احکام پر مشتمل کتاب شائع کرنا پڑی، جس کے لیے وہ بہر حال شکریہ کی مستحق قرار پاتی ہے۔ تاہم مذکورہ کتاب میں بھی عبادات کے مسائل میں مختلف فقہی اقوال جمع کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔ پھر یہ احکام ایک ایسے انداز میں پیش کیے گئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا صرف علما ہی کے بس میں ہے۔ یوں اس کاوش نے عوام کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا اور صرف ایک حوالے (reference) کی کتاب ہی مرتب ہو کر شائع ہو سکی ہے۔

میں نے لمبے عرصے تک اس مشکل صورت حال کے بارے میں سوچ بچار کی اور بڑی مشقت کے بعد مجھے اس مشکل سے نکلنے کا جو راستہ نظر آیا وہ میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں

کوئی فیصلہ کن بات عرض کر رہا ہوں بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈال دی ہے۔ میرے لیے اسے آسان بنادیا ہے۔ مجھے اسی میں فائدہ نظر آیا ہے۔ اگر اس میں سے آپ کو بھی کوئی فائدہ پہنچے یا پھر آپ کے ذہن میں کوئی نئی بات آجائے تو اس میں مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کرلیں، میرے ساتھ بانٹ دیں۔ اس طرح یہ ممکن ہوجائے گا کہ ہم اور آپ مل کر اس پہاڑ جیسے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچاسکیں اور فقہ اسلامی کے مطالعے کے لیے ایک کشادہ اور ہموار شاہراہ تعمیر کرسکیں، کیونکہ یہ معاملہ کسی ایک شخص کے بس سے باہر ہے۔

میرے ذہن میں جو طریقہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے کے تین درجات ہونے چاہییں:

پہلا درجہ: اس میں ہم عوام کے لیے وہ کیفیات واحکام کو پیش کریں گے کہ جن پر ائمہ فقہ کا اتفاق ہے۔ ہم فقہی دلائل کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ اس میں ہم ان امور کا انتخاب کریں گے جن کا تعلق ترغیب وترہیب، دینی اور دنیوی فوائد اور شریعت کے عمومی اسرار ورموز سے ہے۔ اس طرح ایک عام فرد بھی اپنی عبادات کے احکام معلوم کرسکتا ہے، ان میں بہتری لاسکتا ہے اور ان کو اسی طرح ادا کرسکتا ہے جس طرح کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا منشا ہے۔ نیز اس کے ساتھ وہ ان عبادات کے دینی ودنیوی فوائد کا احساس کرسکتا ہے۔

دوسرا درجہ: اس میں ہم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ائمہ کرام کے ذخیرۂ علم کی مدد سے ہر عمل کی کیفیت اس کے احکام کے ساتھ بیان کریں گے۔ ساتھ ہی ان کے دلائل کا بھی ذکر کریں گے۔ اس حصے کے آغاز میں ایک مقدمہ بھی ہوگا جس میں ہم اصولی اصطلاحات اور ائمہ کے اختلاف کے اسباب بیان کریں گے۔

تیسرا درجہ: اس میں ہم اختصاص کا درجہ رکھنے والے علما کے لیے مختلف فقہی مسائل اور ان کی ترجیح کے مختلف پہلوؤں کو ائمہ کے اقوال کے ساتھ واضح کریں گے۔ اس طرح مسائل میں تحقیق وجستجو کرنے والا اس مسئلے میں سب راجح ومرجوح کو جان سکے گا اور ایک ایسی رائے تک پہنچ سکے گا جو اس کے لیے اطمینان بخش ہو۔ واضح رہے کہ یہ حصہ صرف ان علما کے لیے ہوگا جن کے قدم تحقیق وریسرچ کے میدان میں خوب راسخ ہوچکے ہوں، یقیناً ایسے حضرات تعداد میں کم ہوں گے۔

جریدۃ الاخوان المسلمین میں ہم پہلی دو قسموں کو ترجیح دیں گے۔ رہی تیسری قسم تو ان کے لیے فقہ اور حدیث کی جامع کتابیں کافی ہیں۔

ہم ان تحریروں میں ان شاءاللہ حسب ذیل امور کی رعایت رکھیں گے:

۱- فروعی مسائل میں مفروضوں پر بات کرنے سے گریز کیا جائے گا۔

۲- جہاں تک ہوسکے مشکل اصطلاحات کو استعمال کرنے سے احتراز کریں گے۔

۳- عبارت سہل، سلیس اور سیدھی سادی ہوگی۔

۴- فقہی احکام کو ان کے قواعد، اسرار اور حکمتوں کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط کریں گے کہ ان کا روکھا پن جاتا رہے گا۔

○ ثالثاً، تصوف: تصوف اگر چہ رسمی طور پر علوم اسلامیہ میں نہیں شمار ہوتا، لیکن وہ امت میں دیگر علوم سے زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کے کلیات اور احکام لوگوں کے قلوب اور نفوس میں گھر کر چکے ہیں۔ اس کی کتابیں اس کے مختلف طبقات میں متداول ہیں۔ اس لیے جو شخص بھی علوم اسلامیہ پر قلم اٹھانا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے صحیح مقام کو پہچانے۔

درحقیقت صحیح تصوف اسلام کا خلاصہ ہے اور سچے صوفیا ہی وہ لوگ تھے، جنھوں نے اس دین کو پھیلانے اور اس کو تقویت دینے کے لیے اسلامی تصوف کو اختیار کیا۔ اس میدان میں ان کے علاوہ کوئی فلسفی یا کسی قسم کا مربی اس کام کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

میری رائے میں تصوف کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی اسلامی تصوف جو اپنے اصول و احکام، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے حاصل کرتا ہے۔ دوسرا ہے فلسفیانہ تصوف، جو اپنے اصول اور مبادی مختلف فلسفوں پر مبنی نظریات سے حاصل کرتا ہے۔ افسوس کہ یہ دونوں تصوف گڈمڈ ہو گئے ہیں اور اس حد تک خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان میں حق اور باطل کی تمیز کرنا بے حد مشکل ہو گیا ہے، اس تصوف کا اثر یہاں تک بڑھ چکا ہے کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور سنت رسول اللہ کی تشریح تک میں فلسفیانہ آرا کو استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اب صوفیا کی اپنی خاص زبان اور ایسی اصطلاحیں وضع ہو چکی ہیں جو ان کے لیے ہی خاص سمجھی جاتی ہیں۔

پھر حقیقی اسلامی تصوف کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس کا مقصد تربیت نفس، اس کی تہذیب و تطہیر اور اس کو اچھے اخلاق پر ابھارنا اور فضائل میں کمال حاصل کرنا ہے۔ اس کو عام طور پر علم المعاملة کا نام دیا جاتا ہے۔ رہی دوسری قسم تو اس کا تعلق ریاضت و عبادت کے ان نتائج اور ثمرات سے ہے جن کا تعلق ذوق، وجد، فیض اور کشف وغیرہ سے ہے۔ یہ دونوں اقسام بھی آپس میں اس حد تک خلط ملط ہو چکی ہیں کہ ان میں تمیز کرنا مشکل ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مرید نتیجہ اور ثمرات سے تو چمٹنا چاہتے ہیں لیکن اسے حاصل کرنے کے لیے وہ راستہ اختیار نہیں کرتے جو اس کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ اس شوق میں دین کے مطلوب راستے سے ہی غفلت برتنے لگتے ہیں اور شریعت کے احکام کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ تصوف میں بھی انسانی خواہشات اور مختلف سیاسی و اجتماعی اہداف و اغراض گھس آئے ہیں۔ تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں ہے لیکن ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ تصوف[1] کے بارے میں لکھتے ہوئے ہم درج ذیل اصولوں کو مدنظر رکھیں گے، ان شاء اللہ

۱-علم المعاملۃ کے احکام کا ذکر اور کتاب وسنت سے ان کے دلائل پیش کرنا۔

۲-ان کے ایسے نتائج اور ثمرات کا مختصر بیان جو ذوق اور وجدان سے تعلق رکھتے ہیں اور جو راہ سلوک پر چلنے کے لیے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ یہ اہتمام کہ وہ نہ تو کتاب اللہ سے متصادم ہوں اور نہ سنت رسولؐ سے ٹکراتے ہوں۔

۳-ان فنی اصطلاحات کی صحیح تشریح جن کی کاشت اور پرداخت اس فن کے شیوخ اور ائمہ کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

۴-شیوخ کی سیرتوں اور ان کے کلام وبیان میں مثالی نمونے کی تلاش پر ارتکاز۔

۵-اس علم کے عملی پہلو پر خصوصی توجہ مرکوز کرنا، کیونکہ یہی اس کی بنیاد اور اصل ہے۔ اللہ اس کام کی توفیق عنایت فرمائے۔

○ رابعاً، **عمومی خطبات**: ان شاءاللہ،اس میدان میں ان امور کو ملحوظ خاطر رکھیں گے:

۱-عبارت سہل ہو جس میں موضوعات اور مضامین وضاحت سے پیش کیے گئے ہوں، ہم قافیہ و ہم وزن الفاظ اور مسجع ومقفع عبارتوں کے استعمال سے اجتناب۔

۲-جملوں کی ساخت اور مقدار متوسط ہو، یعنی وہ نہ تو لمبے ہوں کہ اکتاہٹ پیدا کریں اور نہ اتنے چھوٹے اور مختصر کہ پیغام پہنچانے سے قاصر ہوں اور بات بے معنی ہو کر رہ جائے۔

۳-دلائل قرآن اور حدیث پر مبنی ہوں گے اور صرف ان مسائل سے تعرض کریں گے جن سے سامعین آشنا ہیں تا کہ وعظ دلوں میں ایک مؤثر عامل بن کر داخل ہو۔

۴-ایک وقت میں صرف ایک مسئلے یا ایک فکر پر گفتگو کی جائے، تا کہ وعظ کے احکام، نتائج اور ثمرات کی توضیح اور بیان کا مرکز وہی نکتہ ہو اور اختتام خطاب پر وہ سامعین کے دل ودماغ میں رچ بس جائے۔

۵-موضوعات سامعین کی زندگیوں سے براہ راست اور گہرا تعلق رکھتے ہوں، تا کہ وہ محسوس کریں کہ یہ مواعظ ان کو راہ راست پر چلانا چاہتے ہیں اور ان کو ضرر اور نقصان سے بچانا ہی ان کا مقصد ہے۔

۶-بذات خود یہ موضوعات آپس میں مربوط ہو کر ایسے نکات میں تبدیل ہو جائیں، جن کا ہدف سامعین کو صرف ثقافت اسلامیہ سے بخوبی روشناس کرانا اور ان کو اس کے رنگ میں رنگنا ہوگا۔

۷-وعظ میں ایک نکتے سے دوسرے نکتے کی طرف منتقلی واضح انداز میں ہو اور اس میں معلوم اور محسوس چیزوں کی مثالیں دی جائیں، تا کہ نامعلوم چیزوں اور امور کا ادراک ہو سکے۔

○ خامساً، **فتاویٰ**: اب رہا فتوے کا معاملہ تو ہم ان میں ائمہ اور ان کے مذاہب، دلائل کے ساتھ بیان

کریں گے اور یہ بات قاری پر چھوڑ دیں گے کہ وہ اس رائے کو اختیار کرے جس پر اس کا دل مطمئن ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم آخر میں خود اپنی رائے بھی قاری کے سامنے رکھ دیں کہ وہ چاہے تو اسے اختیار کرے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ میں قارئین کرام اور استفتا کرنے والوں سے درخواست کروں گا کہ وہ خوب یاد رکھیں کہ دین اسلام آسان ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کے فروع اور جزئیات میں اختلاف موجود ہے۔ مگر یاد رکھیے کہ عیب، بذات خود اختلاف میں نہیں، بلکہ کسی ایک رائے پر تعصب کے ساتھ جم جانے میں ہے۔ اس لیے جب ہم فتوؤں کے آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو ہم لوگوں کو اس بات پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ صرف ہماری رائے پر چلیں، بلکہ ہم اس بات کو خوش آمدید کہتے ہیں کہ وہ ہماری رائے پر بحث کریں، ہم دلیل کی بنیاد پر اپنی رائے سے رجوع کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔

○ سادساً، ماثور دعائیں: اس سے ہماری مراد وہ دعائیں اور اذکار ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو قاری چاہے ان کو یاد کر کے ان کے ذریعے اپنے رب کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے۔ اس کے ذریعے وہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے کا اجر پائے گا، وہیں اس کو دعا کا ثواب بھی ملے گا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین ذات ہے جس کے حوالے معاملات اور امور کیے جا سکتے ہیں)۔ (الکتاب الاول من سلسلہ تراث الامام البنا، مرتبہ جمعہ امین عبدالعزیز الاسکندریہ، ص ۲۳-۳۵)

***